"نقد و تحقیق اور اجتہاد" کی اہمیت اور ناگزیریت

(تحقیق و جستجو کے ذریعہ علم و یقین کی منزل تک رسائی کا سفر)

ڈاکٹر محمد فیروز الدین شاہ

صدر شعبہ اسلامی و عربی علوم، جامعہ سرگودھا

تحقیق کا تاریخی ارتقاء:

آج کے انسان کو جو سعادتیں، مسرتیں اور کامیابیاں حاصل ہیں، وہ اس کو وقت یا زمانے نے تحفے میں نہیں دیں، بلکہ یہ صدیوں میں مسلسل پیدا ہونے والے علماء، خطباء، حکماء کی پیہم کوششوں، محنتوں اور مساعی کا ثمرہ ہے۔ زمین پر رہنے والے انسان کی آج تک ہزاروں ایجادات اور مفید آلات جن کے ذریعے زمینوں کے سینے چیر کر اجناس، کھیتیاں، دھاتیں اور طرح طرح کے خزانے میسر آئے، فیکٹریاں اور کارخانے وجود میں آئے ہیں۔ بازار عجیب رونقیں اور دلکش گہما گہمی کے نظارے پیش کر رہے ہیں، جہان روشنیوں سے معمور ہے۔ سمندروں کی گہرائیوں سے لعل وجواہر نکالے جا رہے اور آسمانوں کی بلندیوں میں کمندیں ڈالی جا رہی ہیں۔ یہ تمام تر مادی اور تہذیبی ترقی اور فکری عروج دراصل مختلف محققین کی علم و معرفت کے مختلف میدانوں میں مسلسل غور و فکر اور بحث و تحقیق کا نتیجہ ہے۔ پھر یہ علمی تحقیق کسی ایک میدان تک منحصر نہیں رہی یا ایک نسل تک محدود نہیں رہی بلکہ تجربہ تحقیق اور مطالعہ کا یہ عمل نظری، فطری، عملی صورتوں میں مختلف وسائل اور ذرائع اور امکانات کے ساتھ چلتی رہی ہے۔ انسان کی جبلت ہے کہ وہ ہر نئی چیز کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ اس کے نام، اس کی ماہیت، اس کے اجزا اور

پھر اس کی کارکردگی کو پرکھتا ہے۔آغازِ آفرینش سے ہی انسان نے اپنے اس طرز عمل کے بارے میں باور کرادیا تھا۔گیان چند نے بجا کہا ہے کہ :

" تحقیق کا عمل بنی نوع انسان کے بچپن سے تاحال نیز ایک فرد کے بچپن سے حین حیات جاری رہتا ہے۔ قدیم قبائلی انسان نے مظاہر فطرت مثلاً سورج کا نکلنا اور ڈوبنا، رات ہونا، آندھی، بارش، سیلاب، زلزلہ وغیرہ کی اپنی فہم کے مطابق تاویلیں کیں۔ زلزلے کے لئے کہا گیا کہ زمین ایک گائے کے سینگ پر رکھی ہے، وہ سینگ بدلتی ہے تو زلزلہ آتا ہے، لیکن یہ تاویلیں حقیقت سے کوسوں دور تھیں،اس لئے درست تحقیق نہ تھیں۔۔۔بچے بھی فطرت اور صنعت انسانی کو سمجھنے کے لئے بڑوں سے طرح طرح کے سوال کرتے ہیں اور بچے ہی کیوں، ہم بڑے بھی زندگی میں طرح طرح کی چھان بین کرتے ہیں مثلاً سامنے پڑوسی کے گھر کے باہر گاڑی آکر رکے تو ہم اپنی کھڑکی سے تانک جھانک کرتے ہیں کہ یہاں کون آیا ہے۔ڈرائی کلین کرنے والا دھوبی کپڑوں کے دھبوں کو دیکھ کر دریافت کرتا ہے کہ یہ کاہے سے پڑے ہیں سبزی سے، چائے سے، یا گریز Grease سے ؟اور ان کی تشخیص کرنے کے بعد ان کا ازالہ کرتا ہے۔ ہم خانہ باغ کے پودوں کے پتوں کو مڑا ہوا یا کرم خوردہ دیکھ کر قیاس کرتے ہیں کہ اس کا کیا سبب ہے اور اسکے علاج کے لئے کون سی دوا چھڑکی جائے۔اس قسم کی اطلاقی تحقیق حکیموں اور ڈاکٹروں کے معالجے کا عمل ہے وہ دریافت کرتے ہیں کہ مریض کو کن اسباب کی بنا پر مرض لاحق ہوا ہے۔ تشخیص تحقیق نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔[1] ایک اہم غیر علمی تحقیق جرائم سے متعلق ہوتی ہے۔پولیس کسی جرم کے ذمے دار شخص کی دریافت اور اس کے لائحہ عمل کے انکشاف کے لئے موقع واردات پر جا کر جو

[1] گیان چند جین، تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2003ء)، ص 8-9۔

چھان بین کرتی ہے ، مختلف شاہدوں کے بیانات لیتی ہے ، تھانے میں لا کر ملزموں کو زدوکوب کا شربت پلا کر جو انتھک استفسار کرتی ہے وہ بھی تحقیق ہے، جسے تفتیش کا نام دیتے ہیں۔ اگر دریافت کے اس طریقے میں Forensic Science کی مدد لی جائے تو یہ تفتیش ایک اطلاقی سائنسی تحقیق بن جاتی ہے۔ گویا تشخیص ہو یا کہ تفتیش یہ دونوں بھی ایک قسم کی تحقیق ہیں"۔[2]

تحقیقات علمیہ کی اہمیت:

البتہ علمی تحقیق کا اپنا ایک معتبر درجہ اور حیثیت ہے، جس کی اہمیت کے بارے میں دور قریب کے عظیم محقق ڈاکٹر محمود احمد غازی نے روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ علمی تحقیق اور فکری کاوش نہ کوئی وقتی چیز ہے اور نہ محض کچھ سر پھرے لوگوں کی ذہنی تفریح کا مشغلہ ہے۔ یہ کسی قوم کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ دنیا میں وہی قومیں آگے بڑھتی ہیں جو علمی میدان میں دوسروں سے آگے ہوں، جن کو اوروں پر فکری برتری حاصل ہو، جو کائنات کے اس نظام قدرت کو دنیا والوں سے بہتر طور پر سمجھتی ہوں۔ دنیا کی زندہ اقوام میں ایسی لوگوں کی ایک قابل ذکر اور مؤثر تعداد ہمیشہ موجود رہتی ہے جو علمی اور فکری اعتبار سے کائنات میں کام کرنے والی قوتوں کو سمجھتے ہوں، جن کی انگلیاں ہر وقت تاریخ کی نبض پر رہتی ہوں۔ مشہور انگریز مفکر ھکسلے نے لکھا ہے کہ کسی معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لیے از حد ضروری ہے کہ کم از کم اس میں سوچنے اور فکر کرنے اولوں کی ایک تعداد ضرور موجود رہے۔ پھر علمی تحقیق کا یہ کام ان اقوام کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ہے جو اپنا مخصوص نظامِ حیات اور اپنا جداگانہ نظریۂ فکر و عمل رکھتی ہیں۔ ان قوموں کے لیے ضروری ہے کہ تمام علوم کو اس طرح مرتب کریں کہ وہ ان کے مخصوص نظامِ حیات اور نظریۂ فکر و عمل کا نہ صرف ساتھ دے سکیں بلکہ اس کی خدمت کریں اور اس کو ترقی دے سکیں، اس کے قیام میں ممد و معاون ہوں اور اس کی بقاء کی ضمانت دے سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام علوم چاہے وہ علوم اجتماعی ہوں یا علوم

---

[2] گیان چند جین، تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2003ء)، ص 9۔

انسانی، علوم طبعی ہوں یا علوم مابعد الطبعی وہ سب کے سب کچھ نظریات اور معلومات کے ایک مجموعہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان علوم کے ماہرین ان نظریات و معلومات کو اپنے اپنے خیالات، اپنے اپنے مزاج اور اپنے اپنے اجتماعی ماحول کے مطابق مرتب کر لیتے ہیں اور ان سے وہی نتائج اخذ کرتے ہیں جو ان کے انداز فکر کے مطابق ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انہی علوم عمرانی و طبیعی سے کام لے کر مختلف قوموں نے مختلف تہذیبیں قائم کیں، مختلف نظام ہائے فکر و عمل مرتب کیے۔ اب جو قوم اس علمی اور فکری معرکہ میں دوسروں پر بازی لے جائے گی دنیا کی سروری کا جھنڈا اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔ کائنات کے بارے میں اسی کا پیش کردہ نقطۂ نظر دنیا میں مانا جائے گا، لوگ اس کے مرتب کردہ نظام فکر و عمل کو قبول کریں گے اور اس کے نتیجہ میں جو تہذیب و تمدن قائم ہوگا اسی کی دنیا میں پیروی کی جائے گی۔ دنیا میں جتنے علوم و فنون پیدا ہوں گے وہ اسی رنگ میں رنگے ہوں گے۔ ان میں وہی روح رچی بسی ہوگی۔ مثال کے طور پر آج کل کے مغربی علوم و فنون کو لیجئے۔ اس وقت مغربی تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ جو علوم دنیا میں رائج ہیں وہ تمام تر مغرب کے مخصوص فکری سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، مغرب کا استعماری رنگ ان میں مکمل طور پر رچا بسا ہوا ہے۔ علوم طبیعی اور علوم حسی تو خیر خدا بیزار اور وحی والہام کی راہنمائی سے برگشتہ ہیں ہی، علوم عمرانی واجتماعی بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں۔ مغرب کے علوم طبیعی جس مفروضہ کی بنیاد پر مرتب ہو رہے ہیں وہ یہ ہے کہ علم دراصل وہی ہے جس کو ہم اپنے حواس سے معلوم کر سکیں، ہر وہ چیز جو غیر محسوس ہے وہ غیر موجود بھی ہے تاوقت یہ کہ اس کا وجود ہونا ہمارے حواس خمسہ میں سے کسی ایک کی گرفت میں آجائے۔ اس مفروضہ کو اگر ہم ایک لمحہ کے لیے بھی صحیح تسلیم کر لیں تو بتایئے کہ وحی الہام سے لے کر توحید و معاد تک کون سا عقیدہ ہے جس پر ضرب نہیں پڑتی۔ یہی حال آج کل کے علومِ اجتماعی کا بھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی ایک مخصوص روح اور مزاج رکھتا ہے۔ اس روح اور اس مزاج کی تشکیل میں بہت سے عوامل نے حصہ لیا ہے۔ تاریخی روایات، مخصوص مذہبی پس منظر، تہذیبی اقدار، ثقافتی ماحول، یہ سب ملکر علوم و فنون کی تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔[3]

---

[3] محمود احمد غازی، اسلامی تحقیق: کرنے کے کام، فکر و نظر، اسلام آباد

حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی ضرورت کا اندازہ اسکی اہمیت کی بناء پر لگایا جاتا ہے یا پھر اہمیت کا اندازہ ضرورت سے ہوتا ہے جس چیز کی ضرورت زیادہ ہو گی اس کی اہمیت بھی زیادہ ہو گی، تحقیق کی اہمیت کا اندازہ اس کے مختلف شعبوں میں ضرورت سے لگایا جا سکتا ہے۔ زندگی میں جس قدر وسعت آتی گئی اس کے شعبہ جات میں اضافہ ہوتا گیا اور اب تو یہ صورت ہے کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں، مثال کے طور پر طب، سائنس، انجینئرنگ، فلکیات، حیوانات، معاشرت، تعلقات، لسانیات، زراعیات صنعت و تجارت، سیاحت، تعلیم، ادب وغیرہ غیرہ۔ اعلیٰ تر اور اعلیٰ ترین کے حصول کیلئے انسانی محنت سرگرم عمل رہتی ہے۔ ڈاکٹر احسان اللہ خان صاحب تحقیق کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ معاشرے اور تحقیق کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے یہ زندگی کے دو رخ ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتے معاشرہ تحقیق کے بغیر نامکمل ہے اور تحقیق معاشرے کے بغیر ایک بے معنی چیز ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ تحقیق کے بغیر معاشرے کا مُسد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بغیر معاشرہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے پورا معاشرہ جمود کا شکار ہو جاتا ہے۔ جامد و ساکت ہو کر رہ جاتا ہے مگر تحقیق معاشرے میں حرکت کا سبب بنتی ہے۔ حرکت زندگی کا دوسرا نام ہے۔ سو سال پہلے کا تصور کریں تو پورا پعاشرہ تاریکی کی لپیٹ میں نظر آتا ہے تعلیم و تدریس میں تحقیق کا وجود نہ تھا استاد صدیوں پرانی ڈگر پر چل رہا تھا بچے کی جذباتی عقل، ذہنی جسمانی اور اخلاقی ضروریات سے بے خبر تھا مگر فرانسیسی ماہر Binet نے تحقیق سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مختلف آزمائشی امتحانات سے کمزور اور ذہین طلباء کی ذہنی صلاحیت کا کس طرح پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذہین اور

کند ذہن کے علاوہ تحقیق نے اندھوں، بہروں اور ذہنی طور پر پس ماندہ بچوں پر تجربات کر کے بھی معاشرے میں ہم آہنگ کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔"[4]

[4] ڈاکٹر احسان اللہ خان، تعلیمی تحقیق اور اسکے اصول ومبادی (لاہور: نگارشات، 1991ء) ص25۔